اسلامی ثقافتی ڈھانچے کی تشکیل وارتقاء: مکی دورِ نبوی ﷺ کا تجزیاتی مطالعہ

Formation and Development of Islamic Cultural Structure: An Analytical Study of the Meccan Period

Dr. Abdul Ghaffar [1]
Dr. Tanveer Qasim [2]

Abstract:

The article examines the formation and development of the Islamic cultural structure during the Meccan period, preceding Prophet Muhammad's migration to Medina. It delves into the socio-cultural landscape of pre-Islamic Mecca, characterized by tribal societies and diverse religious practices centered around the Kaaba. The narrative then unfolds the pivotal role of Prophet Muhammad's early life, marked by moral integrity and spiritual reflection, leading to the revelation of the Qur'an, a transformative guide for individual and societal conduct. The challenges posed by the Quraysh tribe and societal opposition underscore the nascent cultural structure's resilience. The emergence of the Muslim community (Ummah) signifies a communal identity based on principles of social justice and equality. Rituals such as prayers, fasting, and pilgrimage become cultural cornerstones, fostering a distinctive Islamic identity. Ethical and moral foundations, rooted in the Qur'an, shape the evolving cultural landscape. The Meccan period serves as a crucible, refining the cultural ethos that would later flourish in Medina and beyond, laying enduring foundations for Islamic civilization.

Keywords: *Islamic culture, formation and development, Makkah, Prophetic period*

مکہ مکرمہ کثیر القوی (قریش، عرب قبائل اور غیر عرب لوگوں کی آبادی) شہر ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف مذہبوں، تہذیبوں اور ثقافتوں کا بھی مرکز رہا۔ اس وقت جہاں مکہ میں مادی ضروریات کے وافر ذرائع تھے وہاں روح کی تسکین کے لیے موسیقی، شعر و شاعری، مصوری، بت تراشی اور مذہبی اعتقادات کا انتظام بھی تھا۔ ان کی یہ سرگرمیاں کسی خارجی مقصد، موسمی تبدیلی یا کسی اور عرض کے لیے نہیں ہوتی تھیں بلکہ اس سے وہ اپنی مقصود بالذات مذہبی ضروریات کی تکمیل اور روحانی سرور حاصل کرتے تھے۔

انسان کو بہترین تہذیبی و ثقافتی روایات سے آشنا کرنے والی شخصیت کا پہلا دور مکہ ہی تھا۔ مکی دور میں شرائع ماقبل کی روایات موجود تھیں۔ مختلف انبیائے کرام کا مسکن اور دعوتی مرکز بھی رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی کریم ﷺ تک ایک لمبا عرصہ بغیر نبی کے گزرا تو اس دوران شرائع ماقبل اور وقت کے نبی کی تعلیمات میں لوگوں نے ردوبدل سے کام لیا، اپنے مزاج کے مطابق دین کو تبدیل کیا۔ تحریفات کا ایک طویل سلسلہ چل پڑا تو لوگوں کا مزاج مذہب کے بارے میں یہ بنا کہ مذہب کو زندگی کے پیچ وخم میں ایک حاشیے کا درجہ دیا گیا۔ مذہب کی اہمیت صرف اس حد تک رہی کہ اسے اخروی نجات تک محدود رکھا، دنیاوی زندگی اپنی مرضی سے بسر کرنا اور اخروی

---

[1]. Director Seerat Chair/Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Okara, Pakistan

[2]. Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Engineering and Technology, Lahore

زندگی میں فقط نجات کا تصور قائم کر کے محدود اعمال انجام دینا۔یہی سوچ مذہب سے مکی مزاج کا یہی رویہ ان کے رگ میں بسا تھا۔انہوں نے دین ودنیا کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کیا تھا۔اسی تقسیم نے ان کی زندگی کو بھی منقسم کرر کھا تھا۔

جب ان کے سوچ کے دھارے اور دین کے بارے میں منقسم ہوں تو ظاہری بات ہے کہ زندگی کے تمام شعبے اسی طرح غیر منظم اور منقسم رہیں گے،معاشرتی رویوں پر مذہب کی چھاپ کا تاثر مختلف ہوگا اور اسی طرح دنیا کی چھاپ کا اثر الگ نوعیت کا ہوگا۔دین ودنیا کی دوہری حیثیت،سماج وتمدن اور ثقافتی حدود کو بھی منقسم و منتشر کر دیتا ہے۔جس سے معاشرے میں ایک بڑا خلا پیدا ہو جاتا ہے۔معاشرے میں افراط و تفریط کا رجحان بڑھ جاتا ہے،جو زوال کی پہلی نشانی ہوتی ہے۔

مکی دور کبھی بھائیوں کے درمیان دشمنی کا دور کہلاتا تھا۔جان کے دشمنوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔باہمی محبت اور ہمدردی کی بنیاد پر مواخات قائم ہوئی۔مکی دور جو کبھی اخلاقی بحران کا شکار تھا یہاں نہ صرف بیرونی وفود کو عزت ملتی بلکہ بھاری تحائف سے بھی نوازے جاتے تھے اور مہمان نوزی میں بھی کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے۔اس ضمن میں بیرون ممالک کیے گئے معاہدات بھی انسانی زندگیوں میں ایک زوال اور پرامن ہونے کی حیثیت سے نمایاں ہیں۔مدینہ منورہ کا معاشرہ جو ہجرت سے پہلے بہت ساری دینی،اخلاقی اور تہذیبی پیچیدگیوں میں ڈوبا ہوا تھا،مکہ کے لوگوں نے آکر ایک بہت تہذیبی اور قابل تقلید ثقافتی اثرات مرتب کیے۔ان کو اپنی تہذیب پر اتنا بھروسہ تھا کہ دوسروں کی تہذیبی روایات کو بھی ردوبدل کے سانچے میں ڈالنے کے بعد قبول کر لیتے تھے۔ان سے اپنی تمدن کی بہتری کے لیے فنون وعلوم اور رسوم کو نکال لیتے تھے۔مفسد عام کو مسترد کرتے تھے۔مکی دور میں انسانیت کو جتنا فائدہ پہنچا کسی اور دور میں نہیں پہنچ سکا۔

مکی معاشرے کو جس شخصیت نے بام عروج تک پہنچایا،وہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔انہوں نے نہ صرف معاشرے کی اصلاح کی بلکہ انسانوں کو اپنے اعلیٰ کردار سے بھی متعارف کروایا۔اللہ تعالیٰ خود اپنے الفاظ میں ان کی باکمال شخصیت کو ایک بڑی نعمت کے طور پر بیان فرماتے ہیں۔

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔" [1]

"اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ اُن میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتا ہے،اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھی۔"

حضرت محمد ﷺ کی شخصیت اور تعلیمات نے گہرے اثرات مرتب کیے۔مکی معاشرے کے علاوہ بھی حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے دیگر معاشروں کو ہدایت وتہذیب سے متعارف کروایا۔

حضرت محمد ﷺ اور ان کے زمان ومکان کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ سیرت نگاروں،تاریخ دانوں اور اُدبّاء نے شروع سے لے کر آج تک اسے محفوظ رکھا ہے۔صحاح ستہ،مسانید اربعہ،عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب المغازی،ابن واقدی کی المغازی اور کتاب التاریخ والمبعث والمغازی،ابوالفتح محمد بن محمد کی عیون الاثر ومغازی وسیر،حافظ ابن سید الناس کی عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر،عبداللہ بن محمد جعفر اصبہانی کی سیرۃ النبی ﷺ،ابن ہشام کی سیرۃ النبی ﷺ،ابن سعد کی الطبقات الکبریٰ۔[2]

1- آل عمران،۳:۱۶۴

Āl I Imran, 3: 164

2- ابن سعد،محمد بن سعد،الطبقات الکبریٰ،قاہرہ:مکتبہ الخانجی،۲۰۰۱ء،۹۶/۱۔

Ibn e S’ād, *Al Tabqāt al Oolā*, Cairo: Maktabah al Khanji, 2001, 96/1

ابن کثیر کی الکامل، سیرت النبی ﷺ اور الفصول فی اختصار الرسول، شمس الدین محمد بن عبدالرحمن کی الضوء الامع لاہل القرآن التاسع۔ عصر حاضر میں ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی کتاب السیرۃ النبویۃ اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کی سیرت سرور عالم موجود ہیں۔[1]

پھر دور جدید کے تقاضوں کے مطابق ان کی جرح و تعدیل اور جانچ پرکھ بھی ہو چکی ہے بلکہ کئی مواقع پر تو پرانے مخطوطے بھی سامنے آ گئے ہیں، جیسے ہمام ابن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخطوطہ ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ملا تھا۔ سیرت کو مختلف جہات سے تقسیم کر کے مزید وضاحت کا سامان بہم پہنچایا جیسے مکانی و زمانی اور موضوعات و متعلقات کے لحاظ سے پھر ان کی شروح اور شروح اور تلخیص واختصار اور منظوم نگاری وغیرہ ان ساری کوششوں سے اطمینان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

سابقہ کام کا جائزہ:

تمام سیرت نگار نے مکی دور کے ابواب اور فصول کی تقسیم میں تاریخ مکہ مکرمہ، ہمعصر ممالک و حکومتیں، ولادت، امہات، شجرہ نسب، بچپن، کمالات محمد ﷺ وحی، اسفار، خفیہ دعوت و تبلیغ منافقین کا کردار، معجزات اور ہجرت پر آکر مکی دور کا اختتام کر دیتے ہیں۔ اس سے آگے ان کی فہرست سازی میں تحلیل و تجزیے پر مبنی کسی عنوان کا اضافہ نہیں ہو سکا۔

امام محب الدین طبری کا مختصر کتابچہ خلاصۃ السیر فی احوال سید البشر، جو پچاس صفحات پر مشتمل ہے تمام تر مکی دور کے واقعات کا ذکر ہے۔ مدنی واقعات کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے اور جن مکی واقعات کا ذکر ہے وہ بھی واقعات کی حد تک ہیں۔ اسی طرح علامہ خلیفہ بن خیاط نے تاریخ و سیرت کی تصانیف میں مکی دور کو مکمل حذف کر دیا ہے، ہجرت سے اپنی تاریخ تاریخ و سیرت کے حالات و واقعات کا آغاز کرتے ہیں۔ مکی دور کو انہوں نے مکمل جاہلیت کا دور کہا ہے۔ اسی طرح عصر حاضر میں شاہ معین الدین ندوی تاریخ اسلام حصہ نے بھی مکی دور کو خفیہ دور کہہ کر اس کی انفرادیت کو محدود کر دیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمدنی پیمانے پر ان معاشروں کو ناپنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا سید ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ جو سیرت پر عبور رکھتے ہیں اور سیرت پر ان کی کتاب بھی ''نبی رحمت'' کے نام سے موجود ہے۔ اسی کتاب کے ایک پیرا گراف میں تمدنی مراکز کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

الغرض مکی دور کو تاریخ دانوں نے تاریخ کے پردے میں رکھا۔ سیرت نگاروں نے سیرت کے تقاضوں میں عقیدت کے غلاف میں لپیٹ کے رکھا۔ مفسرین نے فقط مکی دور کے احکامات ذکر کیے ہیں۔ یوں مکی دور کے اسلامی ثقافت کا وہ چہرہ نظر نہ آسکا جو اقلیت میں بھی رہتے ہوئے نمایاں رہا اور محکومیت میں بھی ابھر کے سامنے آیا۔

دنیا میں آج یہ تصور موجود ہے کہ اسلامی ثقافت اس دور میں نہیں چل سکتی اور اسلام کو فرسودہ اور غیر مہذب کہہ کر عیسائیت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اسلام پر اس حد تک الزام لگایا جاتا ہے کہ مکہ کے اندر مسلمانوں نے عیسائیوں سے ثقافت سیکھی، اسلام نے ادب اور لٹریچر عرب سے، ریاضی روم سے، فقہ اور قانون یہودیت سے اور فلسفہ یونان سے لیا۔ حالانکہ ان کا یہ دعویٰ انصاف سے عاری اور کھلی بددیانتی ہے۔ جہاں تہذیبوں کا تصادم اور ثقافتی جنگ چھڑ چکی ہو۔ ان حالات میں مکی دور کی ثقافت کا موجودہ دور سے تطبیق کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ تاکہ مکی دور میں سیرت نبوی ﷺ کے ان مظاہر کو واضح کیا جا سکے۔

1- سید مودودی، ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، اردو بازار، ۱۹۹۹ء، ص:۹۷۔
Syed Moududi, Abul Aala, *Seerat e Sarwar e Ālam*, Lahore: Idara Tarjaman ul Quran, 1999, p.97

مکی معاشرے کے اہم رسوم ورواج:

مکی معاشرے کے رسم ورواج کی تاریخ اس وقت سے ہے جب سے مکے میں پہلا انسان آباد ہوا۔ انسان ہمیشہ سے مذہب اور معاشرے سے جڑا ہوا ہے۔ مذہبی اور معاشرتی رویوں کی وجہ سے اپنی زندگیوں میں خوشی اور غمی کے لمحات سے گزرتا ہے۔ اب مکہ مکرمہ کے اہم قطاہر کا تزکرہ کیا جاتا ہے۔

ولادت کی رسوم ورواج:

مکہ میں انسانی زندگی کی پیدائش کے آغاز پر اہل خانہ کی خوشی نہ صرف دیدنی ہوتی ہے بلکہ اسی خوشی میں دوسروں کو بھی شریک کیا جاتا ہے۔ خوشی کے اس موقع پر تمام لوگ رسوم ورواج کے پابند ہوتے ہیں۔ بچے کی پیدائش پر کسی بزرگ کی چبائی ہوئی کھجور کا فالودہ یا پھر شہد کو بچے کے منہ میں ڈال دیتے تھے۔[1]

مکی معاشرے میں عقیقے کی رسم کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔ بقول ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی:

> "نومولود کے بال مونڈے جاتے تھے، ان کے برابر صدقہ ادا کیا جاتا تھا، نام رکھا جاتا تھا، ایک یا دو بکری/ بکرے کی قربانی کی جاتی تھی، اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا تھا، عزیز واقارب اور احباب واہل محلہ کی دعوت کی جاتی تھی اور خوشیاں منائی جاتی تھیں جن میں تحفے تحائف کا تبادلہ، مبارک باد کا غلغلہ، لباس اور نئے کپڑوں کا اہتمام اور گیت اور گانے کا التزام وغیرہ شامل تھا۔"[2]

کعبۃ اللہ کے قریب لوگ اپنے نومولودوں کو کعبے کی زیارت بھی کرواتے تھے۔

نکاح وطلاق:

مکی معاشرے میں نکاح کا تصور بہت پرانا چلا آرہا تھا۔ انسانوں کی نسل اسی تسلسل کا نتیجہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک نکاحوں کی ایک تاریخ محفوظ ہے۔

"ان اللہ اخرجنی من النکاح ولم یخرجنی من السفاح"[3]

"اللہ تعالیٰ نے مجھے نکاحوں کی بدولت سے اس دنیا میں اتارا ہے۔"

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد میں نکاحوں کے تسلسل کا اندازہ ہو جاتا ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نکاحوں کا تسلسل رہا ہے۔ مکہ کے اندر قریش قبیلے کے جدامجد قصی بن کلاب اور اس کے بعد تمام قریشیوں میں نکاح کا رواج چل پڑا۔

عرب میں اور پھر خاص کر مکہ میں نکاح سے پہلے جانبین کی رضامندی باقاعدہ طور پر ہوتی تھی اور اسی اہتمام سے پیغام نکاح بھیجتے تھے۔ عرب معاشرے میں طلاق، ایلا اور اظہار کی رسم سے مراد اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا تھا۔ ظہار اس وقت واقع ہو جاتا جب ایک مرد اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ تم میری ماں جیسی ہو۔ اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی۔ عہد جاہلیت میں ماں کا لفظ بول کر بیوی کو اپنے لیے حرام کر دیا جاتا تھا۔ مکی معاشرے میں ایلا کی رسم بھی رہی۔ ایلا میں مرد قسم کھاتا کہ میں بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا۔ اگر چار مہینے تک

---

[1] ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح بخاری، قولہ تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم، بیروت: دار المعرفہ، ۱۳۷۹ھ، ۵۸۸/۹

Ibn e Hajr, Ahmad bin Ali, *Fath ul Bārī Sharh Sahīh Bukhārī*, Beirut: Dar al Marifah, 1379ah, 588/9

[2] صدیقی، محمد یٰسین مظہر، ڈاکٹر، مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء، لاہور: نشریات اردو بازار، ۲۰۰۸ء، ص ۳۱۵

Dr. Yasin Mazhar Siddiqui, *Makkī Ehd e Nabawī mein Islāmī Ahkām kā Irteqā*, Lahore: Nashriyat, 2008, p.315

[3] البانی، محمد ناصر الدین، الجامع الصغیر، بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۸ھ، ۱/۳۵۰

Albani, Muhammad Nasir ud Din, *Al-Jāme Al-Saghīr*, Beirut: al-Maktab al Islami, 1408AH, 350/1

بیوی کے پاس نہ گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ نکاح اور طلاق میں جب باہمی رضامندی شامل ہو تو اس سے معاشرے کے اچھے پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ اور مہذب معاشرے کی علامت ہوتی ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے سوۃ المجادلۃ کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

فوتیدگی کے رسم ورواج:

مکہ میں موت کے حادثے اور کفن و دفن کی تمام روایات کی بنیاد دین ابراہیمی سے چلی آرہی تھیں۔ عبدالمطلب جو یہ اپنی شخصیت کے لحاظ سے مکے کے علاوہ دیگر اقوام اور خطوں میں بھی معروف تھے۔ ان کی وفات پر نہ صرف غم وافسوس کا اظہار کیا گیا بلکہ مرثیے تک کہے گئے اور مکے کا بازار کئی دنوں تک بند رہا۔

جنگ وجدل:

جنگ وجدل عربوں کا فن تصور کیا جاتا ہے اور یہ ان کی سرشت میں شامل تھا۔ باپ دادا کی لڑائیاں ان کو ازبر یاد تھیں۔ عرب جنگی آلات، جنگوں کی صف بندی، میدان جنگ کے اندر داؤ پیچ اور دیگر متعلقات جنگ کے ماہر تھے۔

ولدن من الخطی فیه أسنة ذخائر مما سن أبزی وشرعب[1]

لچکدار خطی جن میں پھول لگا ہوا تھا، میدان جنگ میں جب دشمن سے مڈبھیر ہو جائے۔ تو اے محبوب: تجھے پھولدار خطی کے علاوہ بھی کوئی نیزہ پسند آجائے گا۔ جنگ وجدل عربوں کی جس صفت کو ظاہر کرتی ہے اس میں انہوں نے اپنے خاندان، قبیلے اور زمین کی حفاظت کے لیے جنگیں لڑی ہیں۔

آباواجداد پرستی:

عربوں کی ایک خاص خصلت یہ بھی تھی کہ اپنے آباواجداد پر فخر وغرور کرتے تھے۔ ان کے واقعات کو یاد رکھتے۔ عمرو بن کلثوم اپنے ایک شعر میں کہتا ہے:

ورثناالمجد قد علمت معد نطاعن دونه حتى يبينا[2]

ہم نے عزت وشرافت معد کے خاندان کے بڑوں سے ورثے میں پائی ہے۔ اس شرافت وبزرگی کو قائم رکھنے کے لیے پوری طاقت کو استعمال کریں گے۔

جس طرح ان کے آباؤاجداد کے فخری کارنامے بیان کیے جاتے ہیں اسی طرح ان کی کمزوری کو بھی عرب نے خوب بیان کیا ہے اور اپنی آئندہ نسل کو غیرت کا درس دیا۔

مکی دور نبوی میں فنون لطیفہ

قصہ گوئی اور گانے بجانے:

قصہ گوئی مکی لوگوں کی سرشت میں تھی اور اسی سے سامرہ عادت پڑی تھی۔ پوری رات وہ قصہ گوئی میں گزارتے تھے۔ اور اس سے وہ اپنی معاشرتی شان بڑھاتے تھے۔ بنی عبدالدار کے مشہور قصہ گو نضر بن الحارث کے بارے میں آتا ہے:

"نضر بن الحارث نے فارس جاکر قصہ گوئی کی تعلیم پائی۔ واپس آکر وہی کہانیاں سنانے لگے اور بانداز چیلنج کہتے تھے کہ

1- میمون بن قیس بن جندل، دیوان الاعشی، بیروت: دارالمعرفہ، ۱۳۷۹ھ، ۲/۱۲
Maimoon bin Qais, *Dīwān Al-Aamashī*, Beirut: Dar al-Marifah, 1379AH, 2/12

2- محمد بن محمد، شرح الشواھد الشریعہ فی امات الکرتبطا النحویہ لاربعۃ الاف شاھد شعری، بیروت: موسسۃ الرسالہ، طبعہ اولیٰ، ۲۰۰۷ء، ۳/۲۷۴
Muhammad bin Muhammad, *Sharh al Shawāhid al Sharia*, Beirut: Mu;assasah al Risālah, 1st ed. 2007, 274/3

محمد ﷺ کے قصے بہتر ہیں یا میری کہانیاں۔"[1]

سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نضر بن الحارث خود داستان گو تھے اور گانے سنانے کے لیے لونڈیاں بھی خریدی تھیں۔[2] عرب کے لوگ رات کی محفلوں کے لیے دن کے کام سے فارغ ہو کر محفلوں کا انعقاد کرتے اور یہی ان کی قصہ گوئی کا دور تھا۔

شعروشاعری:

لفظ شعر کو عموماً شعور کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جو کہ گہرے علم یا ادراک واحساس کا خزینہ ہوتے ہیں۔ شعروشاعری بھی عرب کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ ان کے لیے تہذیبی زندگی کی بنیادی اینٹ تھی۔ ایک شعر ہے جس میں نہ صرف اچھے اخلاق کی بات ہوئی ہے بلکہ شستہ مزاج کو بھی اپنایا گیا ہے۔

"فان الحق مقطعه ثلاث   يمين او نفار او جلاء[3]

سچائی کے لیے تین صورتیں ہیں۔ قسم کھانے سے سچائی ظاہر ہو جائے گی یا پھر کسی کو ثالث مقرر کر کے اس کے فیصلے سے سچائی سامنے آئے گی اور یا پھر آخری صورت یہ ہو گی کہ سچائی خود واضح ہو جائے۔

فن تعمیر:

عربوں نے فن تعمیر مختلف اوقات میں اپنے قریبی ممالک اور خطوں سے اخذ کیا۔ عرب اور پھر خاص کر مکہ والے چونکہ سادہ مزاج بدوی تھے سادگی کو پسند کرتے تھے۔ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے عام آبادیوں کے بارے میں مختلف روایات کے تحت مکانات کا نقشہ کھینچا ہے۔ پتھر کی دیواریں، پٹی کی تختیوں سے بنی چھت پر مشتمل کمرہ ہوتا تھا۔ سب سے پرانی تعمیر خانہ کعبہ کی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حوادث زمانہ یا لوگوں کی محبت وعقیدت کی وجہ سے اس کی تعمیر میں تبدیلی ہوتی رہی۔

فن مصوری:

انسانی ذوق اور فنی مزاج میں تصویر سازی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ قرآن کریم میں اس کے اشارات ملتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ۔"[4]

"وہ جو چاہتے ہیں یہ اُن کیلئے بناتے یعنی قلعے اور مجسمے اور (بڑے بڑے) لگن جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی ہیں۔"

طائف کے مضافات میں ماقبل تاریخ کے باشندوں نے چٹانوں پر جانوروں کی تصوریں کھودی تھیں۔

1- محمد بن عبدالرحمن، تفسیر الایجی جامع البیان فی تفسیر القرآن، بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۴ء، ۱۰۱/۱۔

Muhammad bin Abdu r Rahman, *Tafsīr al Aijī Jāme al Bayān fī Tafsīr al Qurān*, Beirut: Dar al Kutub al Ilmiyah, 2004, 101/1

2- مودودی، سیرت سرور عالم، ص ۵۳۳

Moududi, *Seerat Sarwar Ālam*, p.533

3- جاحظ، ابوعثمان، الحیوان، بیروت: دارالجیل، ۱۹۹۲ء، ۳/۴۷۵

Jahiz, Abu Usman, *Al-Haiwān*, Beirut: Dar al Jeil, 1992, 475/3

4- سبا، ۳۴:۱۳۔

Sabā, 34:13

مکی دور نبوی میں علم وادب

علمی شاعری کا رجحان:

عرب شاعری کو دل و جان سے عزیز رکھتے تھے۔ شاعری کے ذریعہ معاملات کو حل کرتے تھے۔ اور نیک کام کرنے کے لیے بھی شاعری سے مدد لیتے تھے عدی بن زید نے اس حوالے سے بہت اشعار ذکر کیے ہیں۔

علم طب:

علم طب کا بھی کافی رجحان پایا جاتا تھا۔ اس علم کی بنیاد زیادہ تر ان کے مشاہدات، تجربات یا پھر وہم سے تعلق رکھتا تھا۔ زیادہ تر جڑی بوٹیوں، نباتات اور غذاؤں سے کیا جاتا تھا۔ علاج میں پرہیزگاری پہلے درجے پر ہوتی تھی۔

علم کہانت وآفت:

یہ علم علاج سے کہیں زیادہ ایک دیومالائی افسانے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ علم کہانت مستقبل کی مشکلات، آسانیاں اور حالات کے تیور کا پتہ بتا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ریت پر لکیریں کھینچتے اور فیصلہ صادر کرتے عرب کے لوگ طبیب کو بھی کاہن کہتے تھے ابو ذؤیب ریت کی علاج پر کہتا ہے:

يقولون لی لو كان بالرمل لم يمت　　　　ونبيشة والكهان يكذب قيلها-[1]

"مجھے کہا کہ اگر آپ کا دوست اور نبیشہ ریت والی جگہ پر ہوتے تو نہ مرتے۔ عام طیب (علم کہانت) کی بات اور نسخہ بھی جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوتا ہے۔"

دیگر علوم:

عربوں کی علمی وادبی مظاہر کی بنیاد، بھی ایک سوچ اور فکر کے تحت تھی۔ ان کی تمدنی اور ثقافتی روح میں جستجو، ادراک اور تلاش کا مادہ موجود رہا۔ ان کی اسی ندرت نے بتوں کی عبادت سے علم کا حاصل کرنے کا خوگر بنا دیا۔ ان کی عقلیں حوادث طبعی کے کنہ تک نہیں پہنچیں تاہم ان کے عوارضات کا علم ان کو بخوبی تھا۔ ان کو علم طب سے بھی واقفیت تھی لیکن یہ علم ان کو تجربے کے طور پر حاصل ہوا تھا۔[2]

آنحضرت ﷺ کے مکی تہذیب وثقافت پر اثرات:

آپ کے مروجہ روایتی اقدار پر اثرات:

کسی بھی معاشرے میں ایسے داخلی اور خارجی عوامل کارفرما ہوتے ہیں جو اس معاشرے کی اقدار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مکی دور کے مروجہ روایتی اقدار میں عالم عرب کے علاوہ دیگر ممالک کے اثرات بھی شامل تھے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا اہم پہلو:

نبی کریم ﷺ نے اپنے تشخص سے کہیں پہلے مذہبی تعلیمات کی بنیاد پر عرب کے لوگوں کا ذہنی میلان اپنی طرف موڑ لیا، کہ مذہب سے وابستگی عرب میں کسی نہ کسی صورت پہلے سے موجود تھی۔ کیونکہ مذہب کے حوالے سے انسانی طبیعت رنگ اور اصل و نسب کو ایک

1- الخالدیان ابو بکر محمد بن ہاشم، الاشباہ والنظائر من اشعار المتقدمین والجاھلیۃ والمخضرمین، بیروت، دار الحدیث، طبع سوم، ۱۹۸۴ء، ۱/ ۱۵۶
Alkhalidyan, *Al Ishbāh wa al Nazā'ir min Ash'ār al Mutaqaddimīn*, Beirut: Dar al Hadees, 1994, 156/1

2- اسلامیات، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۲۰۰۱ء، ص ۴
Islāmiyāt, Patna: Khuda Bakhsh Oriental Public Liberary, 2001, p.4

خزانہ بنادیا گیا۔اس خزانے میں سب کی فطرت ایک ہے اوران سب نے مذہب کو تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی۔اسی بارے میں نبی کرم ﷺ کاارشاد ہے:

"النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوْا" [1]

اخلاقی اقدار میں روحانی تہذیب:

مکی دور میں نبی کریم ﷺ نے اخلاق کو روحانیت سے ایسے پیوستہ کر دیا کہ پوری زندگی مکمل عبادت کانمونہ پیش کر رہی تھی۔مکی دور زندگی میں کسی کے انفرادی اور اجتماعی امور ایسے نہ تھے جن میں اخلاقیات کو روحانیت سے جدا مانا گیا ہو۔نبی کریم ﷺ اپنی بنیادی ذمہ داری یہ بھی نبھاتے رہے کہ مجھے اخلاق کو عام کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔[2]

اجتماعات میں منتشر امور میں روحانیت:

یوں تو عرب کے سالانہ اجتماعات ہوا کرتے تھے مکہ میں چونکہ مذہبی حیثیت کے علاوہ تجارتی منڈی لگتی تھی اسی لیے سالانہ اجتماعات مذہبی نوعیت کے بھی ہوتے تھے اور سماجی و تہذیبی رنگ بھی لیے ہوتے تھے ان اجتماعات میں خرافات کی بھرمار ہوتی تھی۔اس کے علاوہ دور جاہلیت میں نذر پوری کرنے کے لیے ان اجتماعات اوران کے مقامات کو منتخب کیا جاتا تھا۔ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ بوانہ میں اونٹ ذبح کروں گا۔نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ وہاں جاہلیت کے زمانے میں کبھی بتوں کی پوجا ہوئی ہے؟اس شخص نے نفی میں جواب دیا۔تب نبی کریم ﷺ نے اسے بوانہ کے مقام پر نذر پوری کرنے کی اجازت دے دی۔[3]

مکہ مکرمہ نظریاتی وفکری ثقافت پر اثرات:

ان کے اعمال کے مظاہر کو بھی متاثر کیا۔جس طرح خیالات، نظریات اور اعتقاد ہو گا اسی طرح بھی بھی صادر ہوں گے۔جن بتوں کی وہ پوجا کرتے تھے انہیں کے نام کی نذر قربانیاں بھی کی جاتی تھیں۔عملی مظاہر میں سے وہ روایت بھی قابل توجہ ہے جس میں ابوذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک شخص کو اس کی عجمی النسل ہونے کا طعنہ دیا تھا اور نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرماتے لگے:

"انک امرو فیک جاهلیة۔"[4]

"تم میں اب بھی جاہلیت جیسی خصلت موجود ہے۔"

نبی کریم ﷺ کے تشکیل کردہ ثقافتی ڈھانچہ کا مختصر تجزیہ:

ثقافتی اثرات سے پہلے بذات خود نبی کریم ﷺ ایک لمبے اور تربیت یافتہ سفر سے گزرے۔بنفس نفیس ذاتی نوعیت کی تربیت کا خود بھی اہتمام کیا اور کفالت کرنے والوں نے بھی تربیت میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔جاہلی نفسیاتی مزاج نے بھی کردار سازی میں بھرپور حصہ

1- مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلہ والآداب، باب الارواح جنود مجندة، ریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء، رقم الحدیث: ۲۶۳۸
Muslim bin Hujjaj, *Al Jāme al Sahīh*, Al Riyadh: Dar as Salam li Nashr wa al Touzih, 2000, Hadith: 2638

2- الخطیب، عبد الکریم، التفسیر القرآن، قاہرہ: دار الفکر العربی، ۱۵/۱۱۸۳
Al Khateeb, Abdul Karim, *Al Tafsīr al Qur'ān*, Cairo: Dar al Fikr Al Arabi, 1183/15

3- الجنیدی، شاکر، عبداللہ، سد الذرائع فی مسائل العقیدہ علی ضوء الکتاب والسنہ الصحیحہ، ۱/۳۶
Al Junaidi, Shakir Abdullah, *Sadd al Zarā'I fī Masā'il al Aqīdah alā Zou'I al Kitāb wa al Sunnah al Sahīhah*, 36/1

4- بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بنی الاسلام علی خمس، ریاض: دار السلام والنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء، رقم الحدیث: ۳۰
Bukhari, Muhammad bin Ismail, *Al Jāme al Sahīh*, Al Riyadh: Dar as Salam li Nashr wa al Touzih, 2000, Hadith: 30

لیا۔ دوسرے مذہبی حالات بھی کچھ اس نوعیت کے تھے کہ ان سے کما حقہ تربیت نہیں لی جاسکتی تھی۔ سید امیر علی نے ولیم میور کی بات نقل کی ہے:

"اگرچہ عیسائیت کی تبلیغ پانچ صدیوں سے ہو رہی تھی تاہم عیسائیوں کے صرف کوئی ایک گروہ کہیں کہیں دکھائی دیتے تھے یہودیوں نے بھی جو عیسائیت سے کہیں زیادہ تھے وقتاً فوقتاً لوگوں کو اپنے دائرے میں داخل کرنے کی غیر مستقل کوششیں کی تھیں لیکن اب اس کی تبلیغی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ ان کے علاوہ سب سے بڑے حکمران یعنی غسان اور حیرہ کے بادشاہ، قیصروں اور بازنطینیوں کے باجگزار تھے۔"[1]

پرانی روایت کی از سر نو تعمیر:

نبی کریم ﷺ سارے حالات کا پوری گہرائی اور فراست کے ساتھ جائزہ لے رہے تھے کہ مکی زندگی کے سماجی رویے اور مذہبی رجحانات کو تبدیل کیا جائے۔ ان کے شعور کی گہرائی میں یہ بات آگئی تھی کہ انسانوں کا معاشرہ جاہلی نہیں ہو سکتا۔ بقول مولانا سید ابوالاعلی مودودی:

"اس کے ذہن میں وہ باتیں بھی آتی ہیں جو دوسرے لوگوں کے وہم گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ اس کی نظر ایسی باریک باتوں تک خود بخود پہنچ جاتی ہے جن تک دوسروں کی نظر برسوں کے غور و فکر کے بعد بھی نہیں پہنچتی۔"[2]

احسان شناسی:

انسان کو عقیدے کی رو سے اللہ تعالیٰ کی قربت جبکہ معاملات میں احسان سے متعارف کرایا۔ ان کو اللہ کی حقیقت سے روشناس کرایا احسان ہی کے بدلے ان کے غلط عقیدے، فرسودہ معاشرت اور تمدنی رویے کو شعور کی گہرائی کا فہم عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ حسن سلوک کو اپنے کنبے کے ساتھ حسن سلوک قرار دیا ہے، اور انسان کے ساتھ ظلم کو اپنے کنبے کے ساتھ ظلم قرار دیا ہے۔

احسان درس دیا کہ احسان کی شکل یہ ہے کہ بندہ محسوس کرے اللہ ہر کام اور ہر وقت اللہ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اگر یہ احساس نہ ہو تو اللہ آپ کو ضرور دیکھ رہا ہے۔ الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فإن لم تکن تراہ فانہ یراک (حدیث جبریل)

اسلامی ثقافت کا فروغ:

وحی جو اسلامی ثقافت کی روح قرار پائی۔ اسی روح کی بدولت نبی کریم ﷺ نے عرب کی ثقافت اور اس میں ملی جلی غیر اقوام کی ثقافت کی اصلاح کی۔ نبی کریم ﷺ نے اسلامی ثقافت کی حدود و قیود کے دائرے کو نہ صرف وسیع کر دیا بلکہ واضح بھی کر دیا علم و ادب کا میدان ہو یا فنون لطیفہ میں نسائیت و شہوانیت کی جھلک ان سب کو سیدھے رخ پر رکھنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ محرمات ہیں۔"[3]

1- سید امیر علی، روح اسلام، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۹ء، ص ۲۷،۲۸
Syed Ameer Ali, *Rooh I Islām*, Lahore: Idarah Saqafat i Islamiyah, 1989, p.27, 28

2- مودودی، سیرت سرور عالم، ص ۵۹
Moududi, *Seerat Sarwar e Ālam*, p.59

3- ابی القاسم اسماعیل بن محمد، الترغیب والترھیب، قاہرہ: دار الحدیث، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۳ء، ص: ۴۳
Abi al Qasim, Ismail bin Muhammad, *Al Targhīb wa al Tarhīb*, Cairo: Dar al Hadees, 1993, p.43

ثقافتی صلاحیتوں کے فروغ کا مثبت استعمال:

مکی دور میں "کامل" کا لقب اس شخص کو دیا جاتا تھا جو کتابت اور تیر اندازی میں ماہر ہوتا۔ نبی کریم ﷺ نے کھیل کود اور دیگر سماجی کاموں میں بھی مقصدیت کو پیش نظر رکھا۔ کسی بھی بڑے سے بڑے کام کو لایعنیت کے جامے پہنا کر اسے برباد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح چھوٹے کاموں کو مقصد سے وابستہ کر کے اسے معاشرے اور سماج کے لیے کارآمد بنایا جا سکتا ہے۔ ہر کام مقصد سے پیوست ہو اور ان کے نتائج بھی اسی طرح مرتب ہوتے ہیں۔ اسی بنیاد پر فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سبھی کام فضول ہیں ہاں البتہ مفید کاموں میں سے گھوڑوں کو جہاد کے لے سدھانا اپنی بیوی کے ساتھ کھیل کود اور اہل وعیال کو نشانہ بازی سکھانا شامل ہیں۔[1]

خلاصہ بحث:

دنیا کے حالات اور اقوام عالم کی عادات ہمیشہ ایک حالت پر باقی نہیں رہتیں کیونکہ ہر دور کے اپنے تقاضے اور ہر امت کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ اسی لیے تمام شرائع میں ہر دور کے تقاضوں اور مصالح کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے تمام انبیائے کرام علیہ السلام کا تشریعی مقام بھی یہی ہے کہ وہ اپنی اپنی امتوں کو اصول دین کی تعلیم دینے کے ساتھ فروغ دین کے سلسلے میں حالات و وقت کے تقاضوں کے مطابق احکام دیتے رہے ہیں۔

مکی معاشرے کا یہی بنیادی مسئلہ تھا کہ انہوں نے دین و دنیا کے الگ خانے بنائے تھے اور اسی بنیاد پر ان کی تہذیب بھی بنی تھی۔ ایسی تہذیب کو عنکبوت کہا گیا ہے جو ہوا کے معمولی جھونکے کی بھی طاقت نہ رکھتی ہو، کیونکہ ایسی تہذیب کی اپنی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ مذہب کے اندر ہر تحریف کے بعد ان کی تہذیب کی دیوار بھی ڈگمگا جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو جب مبعوث کیا گیا تو ان کے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ دین و دنیا کی تفریق کو مٹا دیا جائے۔ اس تفریق کے مٹانے پر لوگوں کی سوچ کے دھارے ایک ہوں گے۔ جو دینی حکم ہو گا وہی ان کی تہذیب کے مظاہر بھی ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے ادا کیا۔ مکے کے لوگ جو اپنی روایت پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بڑی حکمت اور بھلائی کے جذبے کے ساتھ یہ فریضہ سرانجام دیا۔ مکی مذاہب اور تہذیبی مظاہر کو اس نقطہ نظر سے دیکھا کہ ایک بہتر معاشرہ وجود میں آئے اور اس کا پیدا کردہ انسان مذہب کا داعی اور اسلامی تہذیب کا محافظ ہو۔

نبی کریم ﷺ نے جب خیر اور بھلائی کی تہذیب اور ثقافتی روایات کو پروان چڑھایا تو آئندہ نسل کے لیے بھی یہ فرمان چھوڑا۔

"خیر الهدی هدی محمد و شر الامور محدثاتها، وکل بدعة ضلالة۔" (2)

اسی طرح ایک اور فرمان ہے:

"لیعلم الیهود ان فی دیننا فسحة۔"(3)

1- محمد بن عبدالوہاب، مجموعۃ الحدیث علی ابواب الفقہ، ریاض: جامعہ امام محمد بن سعود، ۲۰۱۰ء، ۳/۴۴۹
Muhammad bin Abdul Wahab, *Majmū'ah al Hadith alā Abwāb al Fiqh*, Riyadh: Jamia Imam Muhammad bin Sa'ūd, 2010, 449/3

2- ابو یعلی، احمد بن علی المثنی، مسند ابی یعلی، تحقیق: حسین سلیم أسد، دمشق: دار المامون للتراث، الطبعۃ الاولی، ۱۹۸۴ء، ۲/۴۲۰
Abu Yaala, Ahmad bin Ali, *Musnad Abī Yā'lā*, Damascus: Dar al Mamoon li Turas, 1st ed. 1984, 420/2

3- عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، ابو محمد الدینوری، تاویل مختلف الحدیث، بیروت: دار الجیل، ۱۹۷۲ء، ۱/۲۹۳

"یہودیوں کو اس بات کی خبر ہونی چاہیے کہ ہماری تہذیب میں وسعت ہے۔"

پوری انسانیت کے لیے اب بھی اسی میں وسعت اور کشادگی ہے۔ کسی بھی خطے کے انسان کے لیے اس میں فائدے ہی فائدے ہیں، نقصان کہیں بھی نہیں اور اسی میں ہی انسانیت اور انسانی تہذیبوں کی فلاح کا سامان ہے۔

نتیجہ بحث:

تاریخ بتاتی ہے کہ تہذیب و تمدن کوئی جامد چیز نہیں۔ یہ کبھی عروج پر پہنچتی ہے اور کبھی روبہ زوال ہوتی ہے کبھی ایک تہذیب ختم ہوتی ہے تو اس کی جگہ دوسری تہذیب لے لیتی ہے۔ یوں تہذیبیں اور تمدن بن بن کر مٹتے اور مٹ مٹ کر بنتے چلے جاتے ہیں۔

اب تک انسانی ذہن نے جو خاکے بنائے ہیں اور معاشرتی اصلاح اور نظم و ضبط کے لیے جو نظام پیش کیے ہیں وہ اسلامی نظام کی گرد کو بھی پہنچتے موجودہ حالات میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی زبردست ترقی کے باوجود ایسے کوئی آثار نظر نہیں آتے جن سے معلوم ہو کہ انسانیت اسلام کے اصلاح و فلاح کے الوہی پروگرام سے آگے نکل گئی ہے۔ سلامتی کا احساس، روحانی آسودگی اور اعلیٰ اخلاقی رویے اسلامی تہذیب کی جان اور جواز ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اسلام خالق کائنات کا وضع کردہ نظام ہے۔ اسلام عبادات، معاملات، رسم ورواج اور اخلاق وآداب کی مشعلیں روشن کر کے بنی نوع انسان کو مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اسلام صرف دنیا ہی نہیں آخرت کی فوز و فلاح بھی چاہتا ہے اس لیے ہمیں اسلام ہی کی ہدایات کی روشنی میں زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اسلام منافع کے حصول سے نہیں روکتا بلکہ صنعت کے وسائل و ذرائع کو جائز اور پاکیزہ بنائے رکھنے کا اہتمام کرتا ہے۔ مضرتوں کا سدباب اور جائز نفع اندوزی اسلام کا ایک اہم اصول ہے۔

اسی طرح روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ اسلام مادی ترقی سے نہیں روکتا البتہ ظلم و زیادتی اور دوسروں کے حقوق سلب کر کے ترقی کے حصول سے منع کرتا ہے۔ دیکھا جائے تو سائنسی علوم کی حقیقی ترقی مسلمانوں کی مرہون منت عمل میں آئی ہے رسول کریم ﷺ نے جدید اسالیب حرب اور آلات حرب اختیار کیے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہ کو مختلف زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ ازواج مطہرات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ وہ مختلف ادویات کے خواص جانتی تھیں اور علوم عالیہ کی ماہر تھیں۔ لہذا دورِ جدید کے تمدن اور تہذیب کے وہ طریقے اور اسالیب جن سے اسلام کی حقیقی روح متاثر نہ ہو ان سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔ البتہ وہ آثار یا رسوم ورواج اور رنگ ڈھنگ جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہوں، انہیں پوری قوت سے مسترد کر دینا چاہیے، کیونکہ اسلام خالق کائنات کا عطیہ ہے جو دنیا و آخرت کی کامیابی اور عدل و انصاف کا علمبردار ہے۔

Abdullah bin Muslim bin Qutaibah, *Abu Muhammad al Dinori*, Tā'wīl Mukhtalif al Hadith, Beirut: Dar al Jail, 1972, 293/1